© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اشارات

توفیق الٰہی کے اعتماد پر تفہیم القرآن کا جو سلسلہ ان صفحات میں شروع کیا گیا ہے اس کی تکمیل کے بعد ارادہ ہے کہ ایک مفصل مقدمہ بھی لکھا جائے جس میں ایک عام ناظر کی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر ان تمام امور کی توضیح کر دی جائے جن کا جاننا قرآن مجید کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اس دوران میں کہ یہ مسودہ رسالہ میں شائع ہو رہا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ قرآن کے مبادی پر بھی مختصر اشارات ساتھ ساتھ کیے جاتے رہیں تاکہ جو اصحاب اس مسودہ کو بغرض استفادہ دیکھ رہے ہوں ان کے لیے فہم قرآن کی راہ صاف ہوتی رہے، اور ان سوالات کا جواب ساتھ ساتھ ملتا جائے جو کلام اللہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے بالعموم ناظرین کے ذہن میں کھٹکتے ہیں۔

عام طور پر ہم جن کتابوں کے پڑھنے کے عادی ہیں ان میں ایک متعین موضوع پر معلومات، خیالات اور دلائل کو ایک خاص تصنیفی ترتیب کے ساتھ مسلسل بیان کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر جب ایک ایسا شخص جو قرآن سے ابھی تک اجنبی رہا ہے، پہلی مرتبہ اس کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ یہ توقع لیے ہوئے آگے بڑھتا ہے کہ "کتاب" ہونے کی حیثیت سے اس میں بھی عام کتابوں کی طرح پہلے موضوع کا تعین ہو گا، پھر اصل مضمون کو ابواب و فصول میں تقسیم کر کے ترتیب وار ایک ایک مسئلہ پر بحث کی جائے گی اور اسی طرح زندگی کے ایک ایک شعبہ کو لے کر اس کے متعلق بھی احکام و ہدایات سلسلہ وار درج ہوں گی۔ لیکن جب وہ کتاب کھول کر مطالعہ شروع کرتا ہے تو یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے اپنی توقع کے بالکل خلاف ایک دوسرے ہی انداز بیان سے سابقہ پیش آتا ہے جس سے وہ اب تک بالکل نا آشنا تھا۔ یہاں وہ دیکھتا ہے کہ اعتقادی مسائل، اخلاقی ہدایات، شرعی احکام، دعوت، نصیحت، عبرت، تنقید، ملامت، تخویف، بشارت، تسلی، دلائل، شواہد، تاریخی قصے، آثار کائنات کی طرف اشارے، بار بار ایک دوسرے کے بعد آ رہے ہیں، ایک ہی مضمون مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ میں دہرایا جا رہا ہے، ایک مضمون کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اچانک شروع ہو جاتا ہے بلکہ ایک مضمون کے بیچ میں دوسرا مضمون یکایک آ جاتا ہے، مخاطب اور متکلم بار بار بدلتے ہیں اور خطاب کا رُخ رہ رہ کر مختلف سمتوں میں پھرتا ہے، بابوں اور فصلوں کی تقسیم کا کہیں نشان نہیں، تاریخ ہے تو تاریخ نگاری کے انداز میں نہیں، فلسفہ و مابعد الطبیعیات ہے تو منطق و فلسفہ کی زبان میں نہیں، انسان اور موجوداتِ عالم کا ذکر ہے تو تعلیم طبیعیات کے طریقہ پر نہیں، تمدن و سیاست اور معیشت و معاشرت کی گفتگو ہے تو علومِ عمران کے طرز پر نہیں، قانونی احکام اور اُصولِ قانون کا بیان ہے تو مقننوں کے ڈھنگ سے بالکل مختلف، اور اخلاق کی تعلیم ہے تو فلسفۂ اخلاق کے سارے لٹریچر سے اس کا انداز جدا۔ یہ سب کچھ اپنے سابق کتابی تصور کے خلاف پا کر آدمی پریشان ہو جاتا ہے اور اُسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ ایک غیر مرتب، غیر مربوط، منتشر کلام ہے جو اول سے لے کر آخر تک بے شمار چھوٹے بڑے مختلف شذرات پر مشتمل ہے مگر مسلسل عبارت کی شکل میں لکھ دیا گیا ہے۔ مخالفانہ نقطۂ نظر سے دیکھنے والا اسی پر طرح طرح کے اعتراضات کی بنا رکھ دیتا ہے۔ اور موافقانہ نقطۂ نظر رکھنے والا کبھی معنی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے شکوک سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، کبھی اس ظاہری بے ترتیبی کی تاویلیں کر کے اپنے دل کو سمجھا لیتا ہے، کبھی مصنوعی طریقہ سے ربط تلاش کر کے عجیب عجیب نتائج نکالتا ہے، اور کبھی "نظریۂ شذرات" کو قبول کر لیتا ہے جس کی وجہ سے ہر آیت اپنے سیاق و سباق سے الگ ہو کر ایسی معنی آفرینیوں کی آماجگاہ بن جاتی ہے جو قائل کے منشأ کے خلاف ہوتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر ایک کتاب کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کو اس کا موضوع معلوم ہو، اس کے مقصد و مدعا اور اس کے مرکزی مضمون کا علم ہو، اس کے اندازِ بیان سے واقفیت ہو، اس کی اصطلاحی زبان اور اس کے مخصوص طرزِ تعبیر سے شناسائی ہو، اور اس کے بیانات اپنی ظاہری عبارت کے پیچھے جن احوال و معاملات سے تعلق رکھتے ہوں وہ بھی نظر کے سامنے رہیں۔ عام طور پر جو کتابیں ہم پڑھتے ہیں ان میں یہ چیزیں بآسانی مل جاتی ہیں اس لیے ان کے مضامین کی تہہ تک پہنچنے میں ہمیں کوئی بڑی زحمت نہیں ہوتی۔ مگر قرآن میں یہ اُس طرح نہیں ملتیں جس طرح ہم دوسری کتابوں میں انھیں پانے کے عادی رہے ہیں۔ اس لیے ایک عام کتاب خواں کی ذہنیت لیے جب ہم میں کا کوئی شخص قرآن کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو اسے کتاب کے موضوع، مدعا اور مرکزی مضمون کا سراغ نہیں ملتا، اس کا اندازِ بیان اور طرزِ تعبیر بھی اسے کچھ اجنبی سا محسوس ہوتا ہے، اور اکثر مقامات پر اس کی عبارات کا پس منظر بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متفرق آیات میں حکمت کے جو موتی بکھرے ہوئے ہیں ان سے کم و بیش مستفید ہونے کے باوجود آدمی کلام اللہ کی اصلی روح تک پہنچنے سے محروم رہ جاتا ہے اور علمِ کتاب حاصل کرنے کے بجائے اس کو کتاب کے محض چند منتشر نکات و فوائد پر قناعت کر لینی پڑتی ہے۔ بلکہ اکثر لوگ جو قرآن کا مطالعہ کر کے شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کے بھٹکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فہمِ کتاب کے ان ضروری مبادی سے ناواقف رہتے ہوئے جب وہ قرآن کو پڑھتے ہیں تو اس کے صفحات پر مختلف مضامین انھیں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، بکثرت آیات کا مطلب اُن پر نہیں کھلتا، بہت سی آیات کو دیکھتے ہیں کہ بجائے خود نورِ حکمت سے جگمگا رہی ہیں مگر سیاق عبارت میں بالکل بے جوڑ محسوس ہوتی ہیں، متعدد مقامات پر تعبیرات اور اسلوبِ بیان کی ناواقفیت انھیں اصل مطلب سے ہٹا کر کسی اور ہی طرف لے جاتی ہے، اور اکثر مواقع پر پس منظر کا صحیح علم نہ ہونے سے شدید غلط فہمیاں پیش آتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کس قسم کی کتاب ہے، اس کے نزول کی کیفیت اور اس کی ترتیب کی نوعیت کیا ہے، اس کا موضوع گفتگو کیا ہے، اس کی ساری بحث کس مدعا کے لیے ہے، کس مرکزی مضمون کے ساتھ اس کے یہ بے شمار مختلف النوع مضامین وابستہ ہیں، کیا طرز استدلال اور کیا طرز بیان اس نے اپنے مدعا کے لیے اختیار کیا ہے، یہ اور ایسے ہی دوسرے چند ضروری سوالات ہیں جن کا جواب صاف اور سیدھے طریقہ سے اگر آدمی کو ابتدا ہی میں مل جائے تو وہ بہت سے خطرات سے بچ سکتا ہے اور اس کے لیے فہم و تدبر کی راہیں کشادہ ہو سکتی ہیں۔ عام لوگوں کی مقدرت سے یہ بات خارج ہے کہ وہ برسوں کے غائر مطالعہ اور تلاش و تجسس سے ان سوالات کا جواب خود حاصل کریں۔ دراصل یہ قرآن کے شارحین و مفسرین کا کام ہے کہ وہ اس کتاب پاک کا مطالعہ کرنے والوں کی مشکلات کو سمجھیں اور ان کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کریں۔ اب تک زیادہ تر توجہ یا تو ان لوگوں کے مقابلہ پر صرف کی گئی ہے جو قرآن کو مخالفانہ نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے شبہات و اعتراضات سے نور حق کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں، یا پھر ان لوگوں کی ضروریات کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو پہلے سے ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اب وہ لوگ ہماری توجہ کے زیادہ مستحق ہیں جو کسی مخالفانہ جذبہ کے بغیر کھلے دل سے قرآن پڑھنے کے لیے تیار ہیں مگر اسے سمجھ کر ایمان اور علم حق کی روشنی حاصل کرنا چاہتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ انھیں بہت زیادہ علمی پیچیدگیوں اور محققانہ گہرائیوں کی حاجت نہیں، عام فہم طریقے سے چند مبادی ان کے ذہن نشین کر دینے کی ضرورت ہے تاکہ آگے چل کر انھیں قرآن کے مطالعہ میں کوئی الجھن پیش نہ آئے۔

جو شخص قرآن میں تصنیفی ترتیب تلاش کرتا ہے اور وہاں اسے نہ پا کر کتاب کے صفحات میں بھٹکنے لگتا ہے، اس کی پریشانی کی اصل وجہ وہی ابتدائی غلط فہمی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس نے اس گمان کے ساتھ مطالعہ شروع کیا کہ وہ "مذہب کے موضوع پر ایک کتاب" پڑھنے چلا ہے۔ "مذہب کا موضوع" اور "کتاب"، ان دونوں کا تصور اس کے ذہن میں وہی تھا جو بالعموم "مذہب" اور "کتاب" کے متعلق ذہنوں میں ہوتا ہے۔ مگر جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہاں اسے اپنے ذہنی تصور سے بالکل ہی مختلف ایک چیز سے سابقہ پڑا تو وہ اپنے آپ کو اس سے مانوس نہ کر سکا اور سررشتۂ مضمون ہاتھ نہ آنے کے باعث اس نے بین السطور یوں بھٹکنا شروع کر دیا جیسے وہ ایک اجنبی مسافر ہے جو کسی نئے شہر کی گلیوں میں کھو گیا ہے۔ اس گم گشتگی سے بچانے کے لیے اسے پہلے ہی یہ بتا دینا چاہیے کہ تم جس کتاب کو پڑھنے جا رہے ہو وہ تمام دنیا کے لٹریچر میں اپنے طرز کی ایک ہی کتاب ہے، اس کی "تصنیف" دنیا کی ساری کتابوں سے بالکل مختلف طور پر ہوئی ہے، اپنے موضوع اور مضمون اور ترتیب کے لحاظ سے بھی یہ ایک نرالی چیز ہے، لہٰذا تمہارے ذہن کا وہ کتابی سانچہ جو اب تک کی کتب بینی سے بنا ہے، اس کتاب کے سمجھنے میں تمہاری مدد نہ کرے گا بلکہ اُلٹا مزاحم ہوگا۔ اسے سمجھنا چاہتے ہو تو اپنے پہلے سے قائم کیے ہوئے قیاسات کو ذہن سے نکال کر اس کی عجیب خصوصیات سے شناسائی حاصل کرو۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ناظر کو قرآن کی اصل سے واقف ہو جانا چاہیے۔ وہ خواہ اس پر ایمان لائے یا نہ لائے، مگر اس کتاب کو سمجھنے کے لیے اسے نقطۂ آغاز کے طور پر اس کی وہی اصل قبول کرنی ہوگی جو خود اُس نے اور اس کے پیش کرنے والے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے:

اللہ عزوجل نے، جو کائنات کا خالق اور مالک و فرمانروا ہے، اپنی بے پایاں مملکت کے اس حصہ میں جسے زمین کہتے ہیں، انسان کو پیدا کیا، اُسے جاننے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں، فجور اور تقویٰ کی تمیز دی، انتخاب اور ارادے کی آزادی دی، تصرف کے اختیارات بخشے، اور فی الجملہ ایک طرح کی خود اختیاری (آٹانومی) دے کر اسے زمین میں خلیفہ بنایا۔ اس تقرر کے ساتھ ہی اللہ نے انسان کو آگاہ کر دیا کہ تمہارا اور تمام جہان کا مالک، معبود اور حاکم میں ہوں، میری اس سلطنت میں نہ تم خود مختار ہو، نہ کسی دوسرے کے بندے ہو، اور نہ میرے سوا کوئی تمہاری اطاعت و بندگی اور پرستش کا مستحق ہے، دنیا کی یہ زندگی جس میں تمہیں اختیار دے کر بھیجا جا رہا ہے در اصل تمہارے لیے ایک امتحان کی مدت ہے جس کے بعد تمہیں میرے پاس واپس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنا ہوگا۔ بعد میں تمہارے کام کی جانچ کر کے فیصلہ کروں گا کہ تم میں سے کون امتحان میں کامیاب رہا ہے اور کون ناکام۔ تمہارے لیے صحیح رویّہ یہ ہے کہ مجھے اپنا واحد رب اور الٰہ تسلیم کرو، جو ہدایت میں بھیجوں اس کے مطابق دنیا میں کام کرو، اور دنیا کو دارالامتحان سمجھتے ہوئے اس شعور کے ساتھ زندگی بسر کرو کہ تمہارا اصل مقصد میرے آخری فیصلہ میں کامیاب ہونا ہے۔ اس کے برعکس تمہارے لیے ہر وہ رویّہ غلط ہے جو اس سے مختلف ہو۔ اگر پہلا رویّہ اختیار کرو گے (جسے اختیار کرنے کے لیے تم آزاد ہو) تو تمہیں دنیا میں امن و اطمینان حاصل ہوگا اور جب میرے پاس پلٹ کر آؤ گے تو میں تمہیں ابدی راحت و مسرت کا وہ گھر دوں گا جس کا نام جنت ہے، اور اگر دوسرے کسی رویّہ پر چلو گے (جس پر چلنے کے لیے بھی تم کو آزادی ہے)، تو دنیا میں تم کو فساد و بے چینی کا مزا چکھنا ہوگا اور دنیا سے گذر کر عالمِ آخرت میں جب آؤ گے تو ابدی رنج و مصیبت کے اس گڑھے میں پھینک دیے جاؤ گے جس کا نام دوزخ ہے۔ یہ فہمائش کر کے اللہ نے نوعِ انسانی کو زمین میں جگہ دی اور انسانِ اوّل کو وہ ہدایت بھی دے دی جس کے مطابق اس نوع کو زمین میں کام کرنا چاہیے تھا۔ مگر رفتہ رفتہ انسان اس ہدایت سے منحرف ہو گئے، صحیح رویّہ کو چھوڑ کر غلط رویّوں پر چل پڑے، یہاں تک کہ جو ہدایت دی گئی تھی اُسے بھی انھوں نے یا تو اپنی غفلت و بے پروائی سے گم کر دیا یا شرارت سے مسخ کر کے اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا۔ اس کے بعد اللہ مختلف قوموں اور ملکوں میں بار بار اپنے پیغمبر بھیجتا رہا جن کا کام یہ تھا کہ صحیح رویّہ کی طرف انسانوں کو دعوت دیں، جس ہدایت کو انسانوں نے گم یا مسخ کر دیا ہے اُسے پھر اصلی صورت میں پیش کریں، اور انسانوں میں سے جو لوگ اس دعوت کو قبول کر کے خدائی ہدایت کی پیروی کرنے کے لیے تیار ہوں انھیں منظم کر کے ایسی امت بنائیں جو خود اللہ کے قانون کی پابند ہو اور دنیا میں قانونِ الٰہی کی اطاعت قائم کرنے اور اس قانون کی خلاف ورزی بند کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔ یہ پیغمبر ہزارہا برس تک دنیا میں آتے رہے، وہی ایک دعوت اور وہی ایک ہدایت پیش کرتے رہے اور اگر انسانوں کے کسی گروہ نے ان کی دعوت قبول کی تو خدا کے مطیع فرمان (مسلم) بندوں کی وہی ایک امت بناتے رہے۔ مگر ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ انسانوں کی ایک کثیر تعداد نے تو اس دعوت کو قبول ہی نہ کیا اور جنھوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبول کر کے امتِ مسلمہ کی حیثیت اختیار کی وہ رفتہ رفتہ خود بگڑتے چلے گئے حتیٰ کہ ان میں سے بعض امتیں ہدایتِ الٰہی کو بالکل ہی گم کر بیٹھیں، اور بعض نے خدا کے ارشادات کو اپنی تحریفات اور آمیزشوں سے مسخ کر دیا۔ آخر کار اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کام کے لیے مبعوث کیا جس کے لیے پچھلے انبیا آتے رہے تھے۔ عام انسان اور پچھلے انبیاء کی بگڑی ہوئی امتیں، سب آپ کے مخاطب تھے[۱]، سب کو صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا، سب کو از سر نو خدا کی ہدایت پہنچا دینا اور جو اس دعوت و ہدایت کو قبول کریں انہیں ایک ایسی امت بنا دینا ان کا کام تھا جو ایک طرف خود اپنی زندگی کا نظام خدا کی ہدایت پر قائم کرے اور دوسری طرف دنیا کی اصلاح کے لیے جد و جہد کرے ـــــ اسی دعوت و ہدایت کی کتاب یہ قرآن ہے جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور اس کتاب کے لیے اس نے ایسا انتظام کر دیا کہ نہ یہ گم ہو سکتی ہے اور نہ مسخ کی جا سکتی ہے۔

قرآن کی یہ اصل معلوم ہو جانے کے بعد ناظرین کے لیے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس کتاب کا موضوع کیا ہے، اس کا مرکزی مضمون کیا ہے، اور اس کا مدعا کیا ہے۔

اس کا موضوع انسان ہے اس اعتبار سے کہ بلحاظ حقیقت نفس الامری اس کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز میں ہے۔

اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بینی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے سبب سے انسان نے خدا اور نظامِ کائنات اور اپنی ہستی اور حیاتِ دنیوی کے مآل و انجام کے متعلق جو نظریات قائم کیے ہیں اور ان کی بنا پر جو رویّے اختیار کیے ہیں وہ سب حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے غلط اور نتیجہ کے اعتبار سے خود انسان ہی کے لیے تباہ کن ہیں حقیقت وہ ہے جو انسان کو خلیفہ بناتے وقت خدا نے خود بتا دی تھی۔ اور اس حقیقت کے لحاظ سے انسان کے لیے وہی رویہ درست اور خوش انجام ہے جسے اوپر "صحیح رویہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

---

[۱] اگرچہ مخاطب جن بھی ہیں مگر وہ بالتبع مخاطب ہیں۔ اصل مخاطب انسان ہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا مدعا انسان کو صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا اور اللہ کی اُس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرتا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گُم اور اپنی شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے۔

ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو اُسے صاف نظر آئے گا کہ یہ کتاب کہیں اپنے موضوع سے بال برابر بھی نہیں ہٹی ہے۔ اول سے لے کر آخر تک اس کے مختلف النوع مضامین اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ اس طرح جُڑے ہوئے ہیں جیسے ایک ہار کے چھوٹے بڑے رنگ برنگ جواہر ہار کے رشتے میں مربوط و منسلک ہوتے ہیں۔ وہ زمین و آسمان کی ساخت، انسان کی خلقت، آثارِ کائنات کے مشاہدات، گذری ہوئی قوموں کے واقعات، مختلف قوموں کے عقائد و اخلاق اور اعمال پر تنقید، مابعد الطبیعی امور و مسائل کی تشریح، اور بہت سی دوسری چیزوں کا ذکر کرتا ہے مگر اس لیے نہیں کہ اسے طبیعات یا تاریخ یا فلسفہ یا کسی اور فن کی تعلیم دینی ہے بلکہ اس لیے کہ اسے حقیقتِ نفس الامری کے متعلق مختلف انسانی گروہوں کے تصورات کی تردید کرکے اصل حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرنی ہے، اور خلافِ حقیقت رویہ کی غلطی و بدانجامی واضح کرکے اس رویہ کی طرف دعوت دینی ہے جو مطابقِ حقیقت اور خوش انجام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز کا ذکر صرف اُس حد تک اور اس انداز میں کرتا ہے جو اس کے مدعا کے لیے ضروری ہے، ہمیشہ ان چیزوں کا ذکر بقدر ضرورت کرنے کے بعد غیر متعلق تفصیلات کو چھوڑ کر اپنے مقصد اور مرکزی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اس کا سارا بیان انتہائی یکسانی کے ساتھ "دعوت" کے محور پر گھومتا رہتا ہے۔

مگر قرآن کے طرز بیان اور اس کی ترتیب اور اس کے بہت سے مضامین کو آدمی اس وقت تک اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ اس کی کیفیتِ نزول کو اچھی طرح نہ سمجھ لے۔

یہ قرآن اس نوعیت کی کتاب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت اسے لکھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ اسے شائع کرکے لوگوں کو ایک خاص رویۂ زندگی کی طرف بلائیں۔ نیز یہ اس نوعیت کی کتاب بھی نہیں ہے کہ اس میں تجریدی (Abstract) طریقہ پر موضوع اور مرکزی مضمون کے متعلق بحث کی گئی ہو، یہی وجہ ہے کہ اس میں نہ تصنیفی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترتیب پائی جاتی ہے اور نہ کتابی اسلوب۔ دراصل اس کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو پیغمبری کی خدمت کے لیے منتخب کیا اور اُسے حکم دیا کہ اپنے شہر اور اپنے قبیلہ سے دعوت کی ابتدا کرے۔ یہ کام شروع کرنے کے لیے آغاز میں جن ہدایات کی ضرورت تھی صرف وہی دی گئیں اور وہ زیادہ تر تین مضمونوں پر مشتمل تھیں: ایک پیغمبر کو اس امر کی تعلیم کہ وہ خود اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کے لیے کس طرح تیار کریں اور کس طرز پر کام کریں۔ دوسرے، حقیقت نفس الامری کے متعلق ابتدائی معلومات اور حقیقت کے بارے میں ان غلط فہمیوں کی مجمل تردید جو گرد و پیش کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں، جن کی وجہ سے ان کا رویہ غلط ہو رہا تھا۔ تیسرے، صحیح رویہ کی طرف دعوت اور ہدایت الٰہی کے ان بنیادی اصولِ اخلاق کا بیان جن کی پیروی میں انسان کے لیے فلاح و سعادت ہے۔ شروع شروع کے یہ پیغامات ابتدائی دعوت کی مناسبت سے بہت چھوٹے چھوٹے مختصر بولوں پر مشتمل تھے جن کی زبان نہایت شستہ، نہایت شیریں، نہایت پُر اثر اور مخاطب قوم کے مذاق کے مطابق بہترین ادبی رنگ لیے ہوئے تھی تاکہ دلوں میں یہ بول تیر و نشتر کی طرح پیوست ہو جائیں، کان خود بخود ان کے ترنم کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوں، اور زبانیں ان کے حسن تناسب کی وجہ سے بے اختیار ہو کر انھیں دہرانے لگیں۔ پھر ان میں مقامی رنگ بہت زیادہ تھا۔ اگرچہ بیان تو کی جا رہی تھیں عالمگیر صداقتیں مگر ان کے لیے دلائل و شواہد اور مثالیں اُس قریب ترین ماحول سے لی جاتی تھیں جس سے مخاطب لوگ اچھی طرح مانوس تھے۔ انہی کی تاریخ، انہی کی روایات، انہی کے روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے آثار انہی کی اعتقادی اور اجتماعی و اخلاقی خرابیوں پر ساری گفتگو تھی تاکہ وہ اس سے اثر لے سکیں۔

یہ دعوت جو ابتدائی مرحلے میں دی گئی تھی اس کا ردِ عمل تین صورتوں میں ظاہر ہوا۔ (۱) چند صالح آدمی اس دعوت کو قبول کر کے امتِ مسلمہ بننے کے لیے تیار ہو گئے۔ (۲) ایک کثیر تعداد جہالت یا خود غرضی یا آبائی طریقہ کی محبت کے سبب سے مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔ (۳) مکہ اور قریش کی حدود سے نکل کر اس نئی دعوت کی آواز نسبتاً زیادہ وسیع حلقہ میں پہنچنے لگی۔ یہاں سے اس دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مرحلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو نہایت پُرجوش خطبوں کی شکل میں پیغامات بھیجنے شروع کیے جن میں دریا کی سی روانی، سیلاب کی سی قوت اور تیز و تند آگ کی سی تاثیر تھی۔ ان خطبوں میں ایک طرف اہل ایمان کو ان کے ابتدائی فرائض بتائے گئے، ان کے اندر جماعتی شعور پیدا کیا گیا، انھیں تقویٰ اور فضیلتِ اخلاق اور پاکیزگی سیرت کی تعلیم دی گئی، ان کو دینِ حق کی تبلیغ کے طریقے بتائے گئے، کامیابی کے وعدوں اور جنت کی بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی گئی، انھیں صبر و ثبات اور بلند حوصلگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے پر اُبھارا گیا اور فداکاری کا ایسا شدید جوش و ولولہ ان میں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر مصیبت جھیل جانے اور مخالفت کے بڑے سے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ دوسری طرف مخالفین اور راہِ راست سے منہ موڑنے والوں اور غفلت کی نیند سونے والے لوگوں کو پچھلی قوموں کے انجام سے ڈرایا گیا جن کی تاریخ سے وہ خود واقف تھے، تباہ شدہ بستیوں کے آثار سے عبرت دلائی گئی جن کے کھنڈروں پر سے شب و روز اپنے سفروں میں ان کا گزر ہوتا تھا، آثارِ کائنات اور خود ان کی اپنی ہستی سے ان کے نظریات و عقائد کی غلطی اور توحید و معاد اور حسابِ آخرت کی صداقت انھیں سمجھائی گئی، خدا کے غضب اور قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کا خوف دلایا گیا، بُرے اخلاق اور غلط طرزِ زندگی پر انھیں ملامت کی گئی اور بتدریج اللہ کی ہدایت اور صحیح رویۂ زندگی کو زیادہ تفصیلی صورت میں ان کے سامنے پیش کر کے قبولِ حق کی دعوت دی گئی۔

یہ مرحلہ بجائے خود مختلف منزلوں پر مشتمل تھا جن میں سے ہر منزل میں دعوت زیادہ وسیع ہوتی گئی، جدوجہد اور مزاحمت زیادہ سخت ہوتی گئی، مختلف عقائد اور مختلف طرزِ عمل رکھنے والے گروہوں سے سابقہ پیش آتا گیا، اور اسی کے مطابق اللہ کی طرف سے آنے والے پیغامات میں مضامین کا تنوع بڑھتا گیا۔

اس کے بعد یہ دعوت تیسرے مرحلے میں داخل ہوئی جس کا آغاز ہجرت سے ہوا۔ اس مرحلے میں حالات کا نقشہ بالکل بدل گیا۔ امت مسلمہ ایک باقاعدہ ریاست کی بنا ڈالنے میں کامیاب ہو گئی۔ پُرانی جاہلیت کے علم برداروں سے جنگ کی نوبت آئی۔ پچھلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انبیار کی امتوں سے سابقہ پیش آیا۔ خود امت مسلمہ کے اندرونی نظام میں مختلف قسم کے منافق گھس آئے اور ان سے بھی بھگتنا پڑا۔ اور کئی سال کی شدید کشمکش سے گذر کر آخر کار ریاست کامیابی کی اس منزل پر پہنچی کہ سارا عرب اس کے زیر نگیں ہوگیا اور عالمگیر دعوت و اصلاح کے دروازے اس کے سامنے کھل گئے۔ اس مرحلہ کی بھی مختلف منزلیں تھیں۔ ہر منزل میں اس کی مخصوص ضرورتوں کے مطابق اللہ تعالی کی طرف سے ایسے پیغامات آئے جن کا انداز کبھی آتشیں خطابت کا، کبھی شاہانہ فرامین و احکام کا، کبھی معلمانہ درس و تعلیم کا، اور کبھی مصلحانہ افہام و تفہیم کا ہوتا تھا۔ ان میں نبی کو بتایا گیا کہ وہ جماعت اور ریاست اور مدنیت صالحہ کی تعمیر کس طرح کریں، زندگی کے مختلف شعبوں کو کن اصول و ضوابط پر قائم کریں، منافقین اور اہل کتاب اور برسر جنگ یا برسر مسالمت کافروں کے ساتھ ان کی مختلف حالتوں کے لحاظ سے کیا معاملہ کریں، اور ایک طرف عالمگیر دعوت و اصلاح کی، دوسری طرف جماعت مسلمین کے سردار کی، اور تیسری طرف رئیس حکومت کی مختلف حیثیتوں میں بیک وقت کس طرح کام کریں۔ مسلمانوں کو زندگی کے مختلف معاملات و احوال میں صحیح طرز عمل کی تفصیلی ہدایت دی گئی، ان کی کمزوریوں پر تنبیہ کی گئی، ان کو راہ خدا میں جان و مال سے جہاد کرنے پر ابھارا گیا، ان کو شکست اور فتح، مصیبت اور راحت، بدحالی اور خوش حالی، امن اور خوف، غرض ہر حال میں اس کے مناسب اخلاقیات کی تعلیم دی گئی، اور انھیں اس طرح تیار کیا گیا کہ وہ نبی کے بعد ان کے جانشین بن کر اس دعوت و اصلاح کے کام کو انجام دے سکیں۔ دائرۂ ایمان سے باہر جو لوگ تھے، اہل کتاب، منافق، کفار و مشرکین، ان سب کو ان کی مختلف حالتوں کے لحاظ سے سمجھانے، نرمی سے دعوت دینے، سختی سے ملامت و نصیحت کرنے، خدا کے عذاب سے ڈرانے اور سبق آموز واقعات و احوال سے عبرت دلانے کی کوشش کی گئی تاکہ ان پر حجت تمام کر دی جائے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن ایک دعوت کے ساتھ اترنا شروع ہوا، اور وہ دعوت اپنے آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تکمیل تک ۲۳ سال کی مدت میں جن جن مرحلوں اور جن جن منزلوں سے گذرتی رہی ان کی مختلف النوع ضرورتوں کے مطابق قرآن کے مختلف حصے نازل ہوتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی کتاب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصنیفی ترتیب نہیں ہو سکتی۔ پھر اس دعوت کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ قرآن کے جو چھوٹے اور بڑے حصے نازل ہوئے وہ بھی رسالوں کی شکل میں شائع نہیں کیے جاتے تھے بلکہ تقریروں کی شکل میں بیان کیے جاتے اور اسی شکل میں پھیلائے جاتے تھے[1]، اس لیے ان کا اسلوب بھی تحریری نہ تھا بلکہ خطابت کا اسلوب تھا۔ پھر یہ خطابت بھی ایک پروفیسر کے لکچروں کی سی نہیں بلکہ ایک داعی کے خطبوں کی سی تھی جسے دل اور دماغ، عقل اور جذبات ہر ایک سے اپیل کرنا ہوتا ہے، ہر قسم کی ذہنیتوں سے سابقہ پیش آتا ہے، اپنی دعوت و تبلیغ اور عملی تحریک کے سلسلہ میں بے شمار مختلف حالتوں میں کام کرنا پڑتا ہے، ہر ممکن پہلو سے اپنی بات دلوں میں بٹھانا، خیالات کی دنیا بدلنا، جذبات کا سیلاب اٹھانا، مخالفین کا زور توڑنا، ساتھیوں کی اصلاح و تربیت کرنا اور ان میں جوش و عزم پیدا کرنا، دشمنوں کو دوست اور منکروں کو معترف بنانا، مخالفین کی حجت منقطع کرنا اور ان کی اخلاقی طاقت کا استیصال کر دینا، غرض وہ سب کچھ کرنا ہوتا ہے جو ایک دعوت کے علمبردار اور ایک تحریک کے لیڈر کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے اللہ نے اپنے پیغمبر پر جو پیغامات القاء کیے ان کا طرز خطابت وہی تھا جو ایک دعوت کے مناسب حال ہوتا ہے۔ ان میں یونیورسٹی کے لکچر کا سا انداز تلاش کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ قرآن میں مضامین کی بکثرت تکرار کیوں ہے۔ ایک دعوت اور عملی تحریک کا فطری اقتضاء یہ ہے کہ وہ جس وقت جس مرحلے میں ہو اس میں وہی باتیں کہی جائیں جو اس مرحلے سے مناسبت رکھتی ہوں، اور جب تک دعوت ایک مرحلے میں رہے بعد کے مراحل کی بات نہ چھیڑی جائے بلکہ اسی مرحلے کی باتوں کا اعادہ کیا جاتا رہے، خواہ اس میں چند مہینے لگیں یا کئی سال صرف ہو جائیں۔ پھر اگر ایک ہی قسم کی باتوں کا اعادہ ایک ہی عبارت اور ایک ہی ڈھنگ پر کیا جائے تو کان انھیں سنتے سنتے تھک جائیں اور طبیعتیں اکتانے لگیں۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر مرحلے میں جو باتیں بار بار کہنی ہوں انھیں ہر بار نئے الفاظ، نئے اسلوب، اور نئی آن بان سے کہا جائے تاکہ نہایت خوشگوار طریقے سے وہ دلوں میں بیٹھ جائیں اور دعوت کی ایک ایک منزل اس طریقے سے مستحکم ہوتی چلی جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دعوت کی اساس جن چیزوں پر ہو انھیں پہلے قدم سے آخری منزل تک کسی وقت اور کسی حال میں نظر انداز

[1] اگرچہ قلمبند اسی وقت کر لیے جاتے تھے مگر [illegible] زبانی ہوتی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے بلکہ ان کا اعادہ بہرحال دعوت کے ہر مرحلے میں ہوتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دعوت اسلامی کے ایک مرحلے میں قرآن کی جتنی سورتیں نازل ہوئی ہیں ان سب میں بالعموم ایک ہی قسم کے مضامین الفاظ اور انداز بیان بدل بدل کر آئے ہیں۔ مگر توحید اور صفات الٰہی، آخرت اور حساب و مکافات، رسالت و ایمان بالکتاب، تقویٰ اور صبر و توکل اور اسی قسم کے دوسرے بنیادی مضامین کی تکرار پورے قرآن میں نظر آتی ہے کیونکہ اس تحریک کے کسی مرحلے میں بھی ان سے ذہول گوارا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بنیادی تصورات اگر کہیں ذرا بھی کمزور ہو جاتے تو تحریک اپنی صحیح روح کے ساتھ نہ چل سکتی۔

اگر غور کیا جائے تو اسی بیان سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو اُسی ترتیب کے ساتھ کیوں نہ مرتب کر دیا جس ترتیب سے وہ نازل ہوا تھا۔ اوپر آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کا نزول اُس ترتیب سے ہوا تھا جس ترتیب سے دعوت کا آغاز اور اس کا ارتقاء ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ دعوت کے تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد وہ ترتیب کسی طرح درست نہ ہو سکتی تھی جو صرف ارتقاء دعوت ہی کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی۔ ان پیغامات کو مستقل کتاب کی صورت میں مرتب کرنے کے لیے ایک دوسری ترتیب درکار تھی جو تکمیلِ دعوت کے بعد کی صورتِ حال کے لیے زیادہ مناسب ہو۔ ابتدا میں اس دعوت کے مخاطبِ اوّل وہ لوگ تھے جو اسلام سے ناآشنائے محض تھے اور وہاں بالکل ابتدا سے کام کرنا تھا مگر تکمیلِ دعوت کے بعد اس کے مخاطبِ اوّل وہ لوگ ہو گئے جو اس پر ایمان لا کر ایک امت بن چکے تھے اور اُس کام کو جاری رکھنے کے ذمہ دار قرار پائے تھے جسے پیغمبر نے تمام نظری اور عملی حیثیات سے مکمل کر کے اُن کے سپرد کیا تھا۔ اب ضرورت تھی کہ پہلے وہ خود اپنے فرائض سے، اپنے قوانینِ حیات سے، اور اُن فتنوں سے جو پیغمبروں کی امتوں میں رونما ہوتے رہے ہیں، اچھی طرح واقف اور خبردار ہو جائیں، پھر اسلام سے بیگانہ دنیا کے سامنے خدا کی ہدایت اور اس کے راستہ کی طرف دعوت کو لے کر آگے بڑھیں۔ یہی حکمت قرآن کی موجودہ ترتیب میں ملحوظ ہے جو یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایجاد نہیں بلکہ اُسی خدا کے حکم سے دی گئی ہے جس نے قرآن نازل کیا ہے۔

© rasailojaraid.com